ماضی کے جھروکے سے — عبدالرشید ارشد

واردات و مشاہدات

ہر خاندان یا جماعت کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں۔ برصغیر کی سیاسی جماعتوں میں مجلسِ احرار اسلام ایسے سرفروشوں کی جماعت تھی کہ جو ہر وقت جان ہتھیلی پر اور کفن، کندھے پر لیے پھرتے تھے۔ "احرار" نام کا پوری جماعت میں میں اثر تھا کہ حریت و جرأت چھوٹے سے چھوٹے رضا کار کی گھٹی میں پڑی تھی اور خوف نام کی چیز ان کی چرمی میں نہ تھی اور نہ ہے۔ یہ لوگ اس لکڑی کی طرح ہیں جو ٹوٹ تو سکتی ہے لیکن لچک نہیں کھا سکتی۔ اور یہ سب کچھ زعمائے احرار، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان لدھیانویؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مفکر احرار چوہدری افضل حقؒ اور دوسرے احرار رہنماؤں کی تربیت کا اثر تھا کہ اب بھی کہیں اگر کوئی پرانا احراری مل جائے تو اس کی باتیں اور حالات پر بغیر کسی خوف اور لومۃ لائم کے رواں دواں تبصرہ سن کر محسوس کر سکتے ہیں کہ یہ کون لوگ ہیں جب ان کی یہ حالت ہے تو اس وقت جب جماعت باقاعدہ پنجاب میں انگریز کے خلاف اپنا کردار ادا کر رہی تھی اس وقت کیا ہوگی۔ اپنے وقت کے شیخ اور مجلس احرار اسلام اور تحریک تحفظِ ختمِ نبوت کے مربی و سرپرست حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی مجلس میں کسی شخص نے کسی احرار رہنما کے متعلق کچھ نامناسب الفاظ کہے تو حضرت رحمہ اللہ جوش میں آ گئے اور فرمایا کہ خبردار کوئی ان لوگوں کے متعلق میری مجلس میں اس طرح کی کبھی بات نہ کرے اور فرمایا کہ تم لوگوں میں کوئی ان سا جانباز بھی ہے۔

ہمارے ایک دوست از راہ تفنن کہا کرتے تھے کہ کسی عام احرار مقرر کی تقریر سُنو تو اس کا انداز یہ ہوتا تھا کہ گرجدار آواز میں خطاب کرتے ہوئے کہتا کہ چرچل تو بھی سُن لے ہٹلر تو بھی سُن لے، مسولینی تو بھی سُن لے اور جاپان.......... تو بھی سُن لے گویا وہ ان لوگوں کو ایسا خطاب کرتے کہ وہ اُن کے برابر کے حریف اور مقابل ہیں---- یہ تو ایک لطیفہ تھا واقعہ یہ ہے کہ مجلسِ احرار اسلام جب شباب پر تھی تو ان کی تقریروں کی بازگشت برطانیہ کے ایوان پارلیمنٹ میں سُنی جاتی تھی مسجد شہید گنج کے واقعہ کے لگ بھگ مولانا حبیب الرحمان لدھیانویؒ نے دہلی دروازے کے باہر برطانوی ایمپائر (سلطنت) کے متعلق اتنی زور دار تقریر کی کہ پنجاب کی حکومت کے درودیوار ہل گئے سر فضل حسین کی سی آئی ڈی بہت مضبوط تھی اور اس کو پل پل کی خبر ملتی تھی سر فضل حسین نے کہا کہ مولوی حبیب الرحمان لدھیانویؒ نے یہ تقریر کی ہے اور اس سے پہلے احرار کے دفتر میں کھانے کے لیے کچھ نہ تھا چند آنے کے بھنے چنے کھا کر احرار لیڈر جلسے میں گئے اور ایسی آتشبار تقریر کی اگر خدانخواستہ ان کو کچھ سرمایہ یا اقتدار فراہم ہو جائے تو نمعلوم کیا حال ہو۔

عام لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ سید اگر آگ میں چھلانگ لگا دے تو اس کو آگ نہیں جلاتی، لفظاً یا ظاہراً یہ ہر سید کے لیے صحیح ہو یا نہ ہو لیکن امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ واقعتاً ساری عمر آگ میں گھرے رہے لیکن ان کے حوصلے میں کمی ہوئی نہ ہمت نے ساتھ چھوڑا۔ شاہ صاحبؒ جلال و جمال کا مجموعہ تھے ان کا جمال رضا کاروں کو ان کے گرد پروانوں کی طرح اکٹھا رکھتا تھا اور ان کا جلال دشمنوں کے لیے خصوصاً برطانوی استعمار اور اس کے گماشتوں کے لیے تیغ برّاں تھا جس کی کاٹ کا کوئی جواب نہ تھا۔ فرمایا کرتے کہ میری عمر جیل یا ریل میں گذر گئی کل ہی مجھ سے ایک شخص پوچھ رہا تھا کہ قلندر کسے کہتے ہیں اور ساتھ کہا کہ لوگ کہتے ہیں اس زمانہ کا قلندر اقبال تھا۔ میں نے کہا اقبال کو تو نہیں دیکھا لیکن شاہ صاحبؒ کو قریب سے دیکھا ہے سُنا ہے پڑھا ہے جانچا ہے آپ کو جس طرح اور جس سمت سے دیکھیں محسوس ہوتا تھا کہ قلندر ایسے ہوتے ہیں وہ قلندر کہ جس کے متعلق کسی نے کہا ہے:

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

علامہ اقبال مرحوم بھی آپ کی بے حد قدر کیا کرتے تھے، اور آپ اقبال کے مداح تھے لیکن یہ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ جو لوگ کبھی دو چار دفعہ اقبال کے پاس گئے انھوں نے خود بتواتر اور دوسروں نے بھی یہ کہنا شروع کر دیا کہ فلاں شخص اقبال کے بہت قریب تھا۔ تاریخ کو مسخ اور محرف کرنے کے باوجود سچائی کی روشنی تاریکی کی دبیز تہوں کو پھاڑتی ہوئی نمودار ہوجاتی ہے پسرِ اقبال جناب جسٹس ریٹائرڈ جاوید اقبال نے تین جلدوں پر اقبال کی زندگی پر ایک کتاب بنام "زندہ رود" لکھی ہے۔ حق یہ ہے کہ اس میں خاصے حقائق آگئے ہیں کہ جن کی روشنی میں بہت کچھ دیکھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ علامہ اقبال ۱۹۲۶ء کے انتخابات میں پنجاب اسمبلی میں بطور اُمیدوار کھڑے ہوئے ان انتخابات کے متعلق جاوید اقبال صاحب لکھتے ہیں:

> "جلسوں کا سلسلہ اکتوبر ۱۹۲۶ء سے شروع ہوا ان جلسوں میں مولانا غلام مرشد اور ملک لال دین قیصر کے علاوہ جو معروف شخصیتیں تقریریں کیا کرتی یا نظمیں پڑھتی تھیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں مولانا محمد بخش مسلمؒ، حفیظ جالندھری، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا ظفر علی خاںؒ، مولانا حبیب الرحمان لدھیانویؒ، مولانا مظہر علی اظہرؒ۔ بڑے بڑے جلوس بھی نکلتے جن میں اقبالؒ شامل ہوتے۔" (زندہ رود جلد ۳ صفحہ ۳۰۰)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مولانا حبیب الرحمان لدھیانویؒ مولانا مظہر علی اظہرؒ کے ۱۹۲۶ء میں اقبال سے گہرے تعلقات تھے جبھی تو جاوید اقبال صاحب نے ان کا معروف شخصیتیں کہہ کر ذکر کیا ہے۔ اور پھر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور علامہ اقبال دونوں شخصیتیں ایسی تھیں کہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق نہ ہو اور پھر جب اقبال خود بیٹھ کر بخاری کی تقریر سُنتا ہوگا تو اس کا کیا احساس ہوتا ہوگا

اس امر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے. بخاری کی عمر ان دنوں ۳۶، ۳۵ سال ہو گی اور اقبال کی ۵۰ سال۔

اب تھوڑا سا حال دوسری طرف کا بھی سُن لیجیے، کہ جو لوگ آج اقبال کے مجاور بننے کے دعویدار ہیں وہ اقبال کی زندگی میں اقبال پر کفر کے فتوے لگاتے رہے اس کتاب کے صفحہ نمبر ۳۰۲ پر جاوید اقبال رقم طراز ہیں:

"ملک محمد دین کی ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے "زمیندار" نے ادارتی نوٹ لکھا کہ جن مسلمانوں نے ملک محمد دین کے حق میں اپنے ووٹ ڈالے ان میں دو ہزار تو ناخواندہ ارائیں تھے جو اقبال کی علمی قابلیت سے ناواقف محض تھے باقی چار پانچ سو پرچیاں غالباً ان حضرات نے ڈالیں جنھیں "بریلوی حنفیت" کا ہیضہ تھا اور جو ایک ضال مُضل مقامی اخبار اور حزب الاحناف کے اسلام فروشانہ پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے۔"

اب علامہ اقبال کے متعلق پورا لٹریچر پڑھ جائیے آپ کو سوائے اس حوالے کے یا جہاں سے یہ لیا گیا ہے اس کے سوا کہیں سے یہ پتہ نہیں چل سکے گا کہ بخاری و اقبال کے کیا تعلقات تھے آغا شورش کاشمیری نے "چٹان" کے مختلف شماروں میں ضرور روشنی ڈالی ہے کہ بخاری و اقبال کی اکثر ملاقاتیں ہوتیں۔ بخاری، اقبال کے پاس جاتے تو بخاری "یا مرشد" کہہ کر اپنی آمد کا اعلان کرتے اقبال کہتے "آ بھئی پیرا بہت دناں بعد آیاں ایں۔"---- اس کے بعد اقبال حقہ ہٹا دیتے۔ سیدھے ہو کر بیٹھ کر کلی کرتے رکوع سنتے پھر بخاری سے اپنا کلام سنتے لیکن اس کے متعلق یہ کہہ دیا جائے گا کہ یہ تو احرار کے سالاروں میں سے تھے لیکن یہ بھول جائیں گے کہ "یوم اقبال" کو سج دھج سے منانے کی جو طرح آغا شورش کاشمیری نے ڈالی اور تا عمر جس آن بان شان اور کروفر کے ساتھ وہ مرکزی مجلسِ اقبال کے سیکرٹری جنرل رہے اس کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی کہ بخاری کے ایک والہ و شیدا نے یومِ اقبال" کو ہر سال منانے کو انتہا تک پہنچا دیا اور یہ تقریب لاہور میں اتنی مقبول ہوئی کہ اس کے علاوہ کسی اور تقریب میں وہ رونق و وارفتگی نہیں ہوتی جو "یومِ اقبال" میں ہوتی ہے اور آغا صاحب نے آمریت کے ادوار میں بھی حریت کی روح کو زندہ رکھنے کے لیے اس سٹیج سے کام لیا۔ مجھے یاد ہے کہ محمد ایوب خاں کے مارشل لاء کے اوئل میں "یومِ اقبال" جناح ہال میں منایا گیا۔ اس کے مقررین میں جسٹس کیانی اور چودھری محمد علی بھی تھے کیانی نے تو اپنے طنز و مزاح کے انداز میں مارشل لاء کی مخالفت کی کہ پہلے لوگ سبز باغ دکھاتے تھے آج کل کالا باغ دکھاتے ہیں لیکن چودھری محمد علی مرحوم نے بڑے جذبے اور جرأت سے گفتگو کی اس پر آغا شورش کاشمیری نے چودھری صاحب کو اپنے مخصوص انداز اور مترادف الفاظ میں جو خراجِ تحسین پیش کیا اور خود جس قلندری کا مظاہرہ کیا وہ آغا صاحب کی بے مثال جرأت اور شجاعت کی حیران کن مثال تھی کہ اس پر سرسری عدالت قائم کرکے کوڑے بھی لگائے جاسکتے تھے اور انجام تختہ دار بھی ہو سکتا تھا۔ اس پر سٹیج پر بیٹھے ہوئے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل بختیار صاحب بار بار پہلو بدلتے تھے لیکن مصیبت یہ تھی کہ اس جلسہ میں چیف جسٹس کیانی (غالباً) مہمان خصوصی یا صدر تھے ورنہ شاید دوران اجلاس

ہی گرفتاری عمل میں آجاتی تو یہ احراری کردار تھا جو آغا صاحب کو "احرار" سے ملا تھا۔ اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ شورش جیسے نڈر اور بے باک شخص کی جگہ "احرار" ہی میں ہو سکتی تھی۔

بات اقبال و بخاری کی ہو رہی تھی کہ ان کے تعلقات کا ثبوت ۱۹۲۶ء میں تو دستاویزی ہے اور اس سے پہلے یہ مراسم کب قائم ہوئے اس کا اقبالیات کے ماہرین ہی بتا سکتے تھے لیکن وہ اس معاملے میں مہر بلب رہتے ہیں کہ کسی طرح یہ پتہ نہ چل جائے کہ مجلسِ احرارِ اسلام کے برصغیر کے ان چوٹی کے لیڈروں سے کیسے تعلقات تھے جو بعد میں سیاسی حالات و نظریات کی بناء پر ایک دوسرے سے دُور ہو گئے اور قیامِ پاکستان کے بعد جدید محققین اور مورخین نے تو کمال ہی کر دیا کہ ایک لگے بندھے منصوبے کے تحت آزادی پسند جماعتوں کو عوام سے روپوش کرنے کا بطورِ خاص اہتمام کیا گیا لیکن قدرت کا اپنا انتظام ہے اللہ تعالیٰ نے مجلسِ احرارِ اسلام کے ایک شاعر جانباز سے "کاروانِ احرار" کی آٹھ جلدیں تحریر کروائیں کہ جس میں برصغیر کی گذشتہ تمام تحریکوں کا حال پڑھا جاسکتا ہے۔ اور اسی جانباز نے کتاب "تحریک مسجد شہید گنج" لکھ کر تحریک شہید گنج کا پورا ملبہ کھدوا دیا کہ وہ اس کے عینی گواہ تھے۔ اور ایسے ہی ایک مسماۃ، محترمہ روزینہ پروین صاحبہ سے "جمعیتہ علماء ہند کے خطبات مدون کروا کر حکومت کے ایک ادارے سے شائع کروا دیئے۔ اور اسی طرح جناب ایچ بی خاں صاحب نے "برصغیر پاک و ہند میں علماء کا کردار" نامی کتاب لکھی جو "قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت" اسلام آباد نے شائع کی۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مجلسِ احرارِ اسلام کے متعلق ایک اقتباس قارئینِ کرام کے سامنے پیش کیا جائے:

مجلسِ احرارِ اسلام اور کشمیری مسلمان

"مجلسِ احرارِ اسلام ۱۹۲۹ء میں قائم ہوئی تھی جمعیت احرار کی تاسیس اور تشکیل میں، جن لوگوں نے حصہ لیا وہ زیادہ تر علماء تھے۔ الا یہ کہ بقول چودھری خلیق الزمان، چودھری افضل حق ایک سابق پولیس ملازم تھے۔ مگر بہت ہی دیانت دار اور بڑی سمجھ بوجھ کے حامل تھے، اور ثانیاً غازی عبدالرحمان بھی علماء میں سے نہ تھے۔ باقی تمام موسسین حضرات میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا حبیب الرحمان لدھیانویؒ، مولانا سید محمد داوَد غزنویؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا عبدالقادر قصوریؒ، وغیرہ طبقہَ علماء میں سے تھے۔ [1] ان کے علاوہ بعد میں جو لوگ اس جماعت میں شریک ہوئے یا اس جماعت سے متعلق تھے ان میں زیادہ تر علماء ہی تھے۔ مثلاً مولانا غلام غوث ہزارویؒ، اس جماعت کے شرکاء میں جو لوگ طبقہَ علماء میں سے نہ تھے، ان کا عمل و کردار بھی صالح اور متدین تھا۔" [2]

"اسی جذبہ مساوات و اخوت نے، احرارِ اسلام کو کشمیری مسلمانوں کی حالتِ زار کی طرف متوجہ کیا، جو

۱۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۵۴۶ پیامِ مشرق "۱۴۔ اگست ۱۹۵۴ء ص ۲۸ (اداریہ) Path Way to Paklsatn

۲۔ تحریکِ پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۳۹۶۔ ۳۹۷ "خطباتِ احرار" ص ۵۵۔ ۷۷ مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ ۵۴۷

کشمیر میں اکثریتی فرقہ ہونے کے باوجود خستہ حالی اور پریشانی میں عسرت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ انھیں اس مصیبت سے نجات دلانے کے لیے اکتوبر ۱۹۳۱ء میں احرار اسلام نے ڈوگرہ راج کے مظالم کے خلاف ایک تحریک شروع کی، اور کشمیر میں داخل ہو کر مسلمانانِ کشمیر کے حقوق بحال کرانے کے لیے سول نافرمانی کی، اور اپنے ہزاروں رضاکار جیل میں پہنچا دیئے،[1] مجلسِ احرارِ اسلام کے روحِ رواں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کو بھی اس تحریک میں زیرِ دفعہ ۱۲۴ الف ایک سال کی قید و بند برداشت کرنی پڑی۔[2] حسبِ بیانِ سابق اس جماعت کا قیام ۱۹۲۹ء میں ہوا تھا۔ مگر اس میں شریک علماء و دیگر حضرات ملکی سیاست میں تحریکِ خلافت اور جمعیت علماء ہند کی تشکیل کے وقت ہی سے عملی حصہ لے رہے تھے اور اس نے اپنی تشکیل کے بعد بھی اپنا سیاسی مسلک، جمعیت علماء ہند دہلی کی مطابقت میں ہی رکھا۔ نیز ملک کے سیاسی مفاد اور مسلمانانِ ہند کے سیاسی اور مذہبی حقوق کے پیش نظر کانگریس کے ساتھ بھی تعاون کیا۔ لہذا کانگریس کے متعصب اور مہاسبھائی ذہنیتوں کے حامل افراد پر تنقید بھی کرتے رہے، اور اپنے دینِ متین کی تبلیغ و اشاعت کے لیے بھی شعبہ تبلیغ بھی قائم کیا۔ جماعت احرار اسلام نے بیک وقت مندرجہ ذیل اُمور انجام دیئے یعنی سیاست ملکی، خدمتِ خلق، رضاکاروں کی تنظیم، ردِ مرزائیت، مدحِ صحابہؓ اور مسجد شہید گنج کی بحالی وغیرہ وغیرہ، احرارِ اسلام نے مندرجہ بالا اُمور میں حتی المقدور کوشش کی نیز اپنی مالی او اقتصادی مشکلات کے باوجود جماعت کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے برابر کوشاں رہی۔"[3]

آپ نے مندرجہ بالا کتاب کا اقتباس پڑھا اس کے علاوہ بھی اس کتاب میں بہت کچھ ہے اور وہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے جبکہ شروع میں صفحہ نمبر ۵، ۶ پر یہ درج ہے:

علماء کے طبقے یا علماء کی اقسام:

عام طور پر علماء کی دو قسمیں ہیں یعنی علماء حق، اور علماء سوء۔ علماء حق کا سب سے پہلا اور اہم کام "نہی عن المنکر" یعنی بھلائی پھیلانا اور بُرائی سے روکنا ہے مگر علماء سوء جائز و ناجائز کا خیال کیے بغیر ابن الوقتی کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں یوں تو احادیث کی کتابوں میں علماء حق کے متعلق بہت سے اقوال اور احادیث موجود ہیں جن میں سے ایک معروف حدیث یہ ہے کہ **العلماء ورثۃ الانبیاء** یعنی علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اس ضمن کی ایک دوسری حدیث یہ ہے **افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جابرٍ** - یعنی سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ جابر ظالم سلطان (حکمران) کے سامنے بلا جھجک حق بات

۱- پیامِ مشرق ۱۴، اگست ۱۹۵۴ء، صفحہ ۲۸، مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ ۵۴۷

۲- "بیس بڑے مسلمان" صفحہ ۵۶۷ ۳- خطباتِ احرار صفحہ ۴۷

کہہ دی جائے۔"

اور پھر اس ۴۰۸ صفحات ۲۰×۳۰=۸ سائز کے صفحات میں اس کی تفصیل ہے اختصاراً قطب الدین ایبک سے لے کر التمش کا ذکر کرتے ہوئے عہدِ مغلیہ کے دور کو لیتے ہوئے ۱۹۴۰ء تک برصغیر میں علماء کے کردار کو بیان کیا گیا ہے۔

سچ کڑوا ہوتا ہے۔ بُرا لگتا ہے سچ کہنے والوں کو دار و رسن سے گزرنا پڑتا ہے اور انقلابِ زمانہ سے بعض دور ایسے بھی آتے ہیں کہ اس کو چھپایا جاتا ہے لیکن حق اور سچ چھپنے کے لیے نہیں آتا وہ ظاہر ہو کر رہتا ہے اور اس کی روشنی سے تاریک راہوں میں تحریکیں اپنی مشعل کے لیے تیل حاصل کرتی ہیں۔ آج کل نہ چاہتے ہوئے بھی اخبارات میں سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید، تحریک ریشمی رومال، ابوالکلام آزاد، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، کا نام بار بار آتا ہے۔

اکبر اور جہانگیر کے مزار و قلعے سیر و تفریح گاہ بنے ہوئے ہیں لیکن مجدد الف ثانی کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

احرار اسی قبیلہ سے تھے جیسے جیسے زمانہ گزرے گا ان کی یاد زیادہ آئے گی، تذکرہ نکھر کر سامنے آئے گا۔ اور ردِ مرزائیت، تحفظ ختم نبوت میں تو اس کے کردار نے اس کو عالمِ اسلام کی اہم جماعتوں میں شامل کر دیا ہے۔ یہ ایک علیحدہ مستقل موضوع ہے جس کا تذکرہ ان شاء اللہ پھر کسی فرصت میں کیا جائے گا۔

★★★

بقیہ از صفحہ ۳۰

ہمارا انجام بھی ویسا ہی ہو گا۔

انسان کا طرۂ امتیاز تو یہی ہے، کہ خود سوچ سمجھ سکتا ہے، غور و فکر کر کے اپنے نتائج حاصل کر سکتا ہے، اور سچ اور جھوٹ کا موازنہ کر کے حق کو باطل سے ممیز کر سکتا ہے! اب اس تحقیقی عمل کو آگے بڑھانا اور یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔ کہ آپ کو شریعت بحال کرانی چاہیے۔ یا جمہوریت؟

اس تحریری کاوش کا مقصد آپ کی آزادیٔ فکر کو فکرِ آخرت کی طرف موڑ کر اللہ کی نازل کردہ ہدایات کو قبول کر کے ان پر عمل کرنے پر آمادہ کرنا ہے۔ کیونکہ اسکے علاوہ انسان کبھی بھی کسی اور طریقہ کو اپنا کر کامیابی اور خوش حالی حاصل نہیں کر سکتا۔

اللہ کا فرمان ہے۔

جن لوگوں نے اللہ کے حکم کو قبول کیا ان کی حالت بہت بہتر ہو گی۔ اور جنہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ اگر روئے زمین کے سب خزانے ان کے اختیار میں ہوں تو وہ سب کے سب اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور بدلے میں صرف کر ڈالیں (اپنی حالت بہتر نہیں کر سکتے)

ایسے لوگوں کا حساب بھی برا ہو گا۔ اور ان کا ٹھکانہ بھی دوزخ ہے۔ اور وہ بری جگہ ہے۔

(القرآن سورۃ الرعد آیت نمبر ۱۸)